دینی مدارس میں جدید علوم وفنون کی تدریسی روایت، تحدیات وامکانات

عبدالقادر بُزدار*

Abstract

Religious madrasahs are the fortresses of Islam, where the voices of Allah and the Prophet ﷺ are heard day and night. Teaching of other sciences and arts, including *Qur'ān* and *Ḥadīth*, interpretation, jurisprudence, literature, rhetoric, logic and philosophy, has been going on for many centuries. Great academic personalities were developed from the time, whose ideas and sciences influenced the world. But now there are no scholars and researchers who can offer a solution to the intellectual problems of the Muslim Ummah and can respond to the intellectual attacks on Islam by the West and can lead the Muslim Ummah according to the modern era according to the requirements of the times. Where there may be other reasons, teaching of modern sciences and arts in religious madrasas, and addressing the challenges faced by them in the current era, and focusing on their solutions, and connecting the curriculum with the changes that the present age requires. This has been highlighted in the article under review.

Keywords: Interpretations, Jurisprudence, Academic, Intellectual.

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں جہاں قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں دن رات بلند ہوتی ہیں، قرآن وحدیث، تفسیر، فقہ، ادب، بلاغت، منطق اور فلسفہ سمیت دیگر علوم وفنون کی تعلیم کئی صدیوں سے جاری ہے۔ اور ان مدارس دینیہ سے بڑی بڑی علمی شخصیات اور ایسی نابغہ روزگار ہستیاں نکلیں جنہوں نے تحقیقی اور علمی میدان میں امت مسلمہ کی امامت کی ان کے افکار اور علوم نے دنیا کو متاثر کیا اس وقت تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

مگر اب ویسے اسکالرز اور محققین نظر نہیں آرہے جو امت مسلمہ کے فکری مسائل کا حل پیش کر سکیں اور اسلام پر مغرب کی طرف سے ہونے والی فکری یلغاروں کا جواب دے سکیں اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق دور جدید کی رعایت رکھتے ہوئے امت مسلمہ کی قیادت وسیاست کر سکیں۔ اس بارے میں جہاں اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں وہاں ایک اہم سبب عصر حاضر کے تقاضوں کو نظر انداز کرنا ہے۔

---

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

چنانچہ دینی مدارس میں جدید علوم وفنون کی تدریس اور انہیں موجودہ زمانہ میں جو تحدیات درپیش ہیں ان کا سامنا کرتے ہوئے ان کے حل کی طرف توجہ مبذول کرنا، اور عصر حاضر جن تبدیلیوں کا متقاضی ہے اس سے نصاب کو ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس لیے کہ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جن کی رعایت کے بغیر مطلوبہ اہداف اور مقاصد کا بالکلیہ حصول ممکن نہیں ہوتا۔ اور فقہاء نے اس بات کو باقاعدہ ایک قاعدہ کی صورت میں بیان کیا ہے:

لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الأزمان [1]

"زمانہ بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔"

اور یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جس پر جمہور فقہاء متفق ہیں اور اس پر بناء کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تصانیف میں باقاعدہ بحثیں کیں ہیں۔ چنانچہ حالات کے بدلنے سے جہاں احکام میں تغیر آنا ناگزیر ہے اسی طرح درپیش مسائل کے حل کے لیے زمانہ کے تقاضوں کی رعایت بھی امر لازم ہے۔

اس لیے دور حاضر میں دینی مدارس کے مروجہ نصاب پر تنقیدی وتعمیری نظر اور اس میں جدید علوم وفنون سے متعلقہ مضامین کو شامل کرنا زمانہ کا تقاضا ہے۔ چنانچہ ان عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر ہمارے دینی مدارس میں نصاب کی جزوی تبدیلی، زمانہ کے تقاضہ کے مطابق تعلیم وتربیت کا اہتمام ہو تو امت مسلمہ کو فکری اور دینی اعتبار سے جن تحدیات کا سامنا ہے ان کا بطریق اتم حل نکالا جاسکتا ہے۔

دینی مدارس کی اہمیت، پس منظر اور معاشرتی کردار:

مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے انفرادی و اجتماعی اور شخصی و معاشرتی امور میں خداوندی تعلیمات کے پابند ہیں۔ اور اخروی نجات کے ساتھ ساتھ ان کی دنیوی کامیابی اور فلاح بھی الہامی تعلیمات کی اتباع پر موقوف اور منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام اور رسل عظام کی تعلیمات کو برحق سمجھتے ہوئے اس پر ایمان وایقان رکھتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی پیغام تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کا نچوڑ وخلاصہ ہے اور قرآن کریم اللہ تعالی کی آخری کامل، مکمل اور اکمل کتاب ہے۔ اہل اسلام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ چونکہ آسمانی تعلیمات ہی نسل انسانی کی صحیح راہنمائی کی ضامن ہیں، اور انسان محض اپنی انفرادی یا اجتماعی عقل وخواہش کی بنیاد پر مسائل حل کرنے اور مثالی انسانی

---

[1] الزرقا، احمد بن الشیخ محمد، **شرح القواعد الفقهیه**، تعلیق مصطفی احمد الزرقا، (دمشق: دار القلم، ۱۴۰۹ھ)، ۲۲۷

سوسائٹی تشکیل دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور چونکہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی آسمانی تعلیمات کو مکمل اور محفوظ حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اس لیے اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف خود اپنی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں قرآن وسنت پر مکمل طور پر عمل کریں بلکہ دنیا کی دوسری اقوام کے سامنے بھی اسلامی تعلیمات کو پیش کریں۔ اور انہیں دعوت دیں کہ وہ محض انسانی عقل وخواہش پر بھروسہ کرنے کی بجائے وحی الٰہی کی بالاتر راہنمائی کو قبول کریں اور قرآن وسنت کی طرف رجوع کر کے انسانی سوسائٹی کو عقل و خواہش کی بے لگام پیروی سے نجات دلائیں، تاکہ دنیا کی انسانی آبادی مجموعی طور پر فطری قوانین اور نظام کے تحت امن وخوشحالی کی حقیقی منزل سے ہمکنار ہو سکے۔

اس پس منظر میں ہر مسلمان اور عورت کا قرآن وسنت کی تعلیمات سے آراستہ ہونا اس کے دینی فرائض میں شامل ہے۔ اور مسلمانوں کی مذہبی قیادت اسے اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے کہ وہ ہر مسلمان خاندان اور فرد کو ضروری دینی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لیے جو کچھ اس کے بس میں ہو کر گزرے اور اس معاملہ میں کوئی کوتاہی روانہ رکھے۔ اور اس سلسلہ میں دینی مدارس سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ نہیں جو اقامت دین اور اشاعت اسلام میں اس قدر مفید اور موثر ثابت ہو۔

دینی مدارس کی خدمات کے حوالہ سے ایک طویل تاریخ ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں اور زمانوں کو محیط ہے۔ اگر ہم اس کے نقطہ آغاز پر نظر دوڑائیں تو ہمیں مکہ مکرمہ میں دار ارقم اور مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ کی عظیم الشان درسگاہ دکھائی دیتی ہے جہاں کائنات کے سردار حضرت محمد ﷺ معلم اور خیر الخلائق بعد الانبیاء، اصحاب رسول ﷺ کی جماعت نظر آتی ہے جو وہاں اپنے شب وروز دین کی تعلیم میں صرف کیے ہوئے تھے۔ اور پھر وہاں سے علم کے یہ چشمے پھوٹے اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔

چنانچہ علمی اعتبار سے کوفہ اور بصرہ بھی علم دین کی نشرو اشاعت میں اپنا بھرپور کامل حصہ ملاتے نظر آ تے ہیں اس طرح قرطبہ اور غرناطہ میں مسلمانوں کی قائم کردہ درسگاہوں نے دنیا کو اپنے فیض سے منور کیا اور مدرسہ نظامیہ بغداد اور مصر کی جامعۃ الازہر سے بڑے بڑے نامور علماء اور محققین پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے برصغیر تک پہنچا۔

ہمارے یہاں جو اس وقت نصاب رائج ہے اس نصاب کو ''درس نظامی'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ملا نظام الدین سہالویؒ نے، جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاصرین میں سے تھے، کئی نسلوں سے پڑھائے جانے والے

تعلیمی نصاب کو باقاعدہ اور مربوط نصاب کی شکل دی تھی۔ اس کے بعد یہ نصاب انہی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اس نصاب میں بنیادی طور پر قرآن مجید، حدیث نبوی، صرف ونحو، عربی گرائمر، فقہ اسلامی، منطق وفلسفہ، علم الکلام، ریاضی حساب، فارسی زبان، کتابت وغیرہ شامل تھی۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملانظام الدین سہالویؒ نے کیوں اور کس مقصد کی خاطر مرتب کیا تھا؟ نامور اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (م-۲۰۲۰ء) اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> "اگر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں جس کو اب برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں، ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی، مقنن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا اس نظام کے لیے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے یہ سلسلہ 1857ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا، بہر حال اس کے بعد چونکہ یہی نصاب موجود تھا اور اسی نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے، اس لیے جب دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انہوں نے اسی نصاب کو قابل عمل پایا اور اس کو اختیار کر لیا۔"[2]

شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس طرح ایک مہذب اور منظم سوسائٹی میں تعلیم کے تمام ضروری تقاضے مثلاً خواندگی، دفتری زبان، مروجہ قوانین، مذہبی زبان، عقائد و نظریات، کلچر وثقافت، اسلامی لٹریچر تک رسائی، حساب وکتاب، اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی تک کے سب اہم اور ناگزیر امور اس نصاب کے اندر سمودیے گئے تھے۔ ملک کی عام آبادی کے لوگ مسلم اور غیر مسلم

---

[2] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، خطبہ، **دینی مدارس: مفروضے، حقائق اور لائحہ عمل**، مرتب سید عزیز الرحمن، (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ۲۳

سب یہی نصاب پڑھتے تھے اور اسی نصاب کی بنیاد پر انتظامی، عدالتی، اور مالیاتی شعبوں میں تمام مناصب تک پہنچتے تھے۔ "[3]

لیکن جب مغل حکومت کا سورج غروب ہوا برطانوی استعمار نے برصغیر پر اپنی حکومت قائم کرلی تو اس نے اس نصاب پر اور اس کے پڑھنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایئے:

"انگریز نے فارسی اور عربی زبان کو ختم کیا اور سرکاری زبان انگریزی قرار دے دی جس کے نتیجے میں وہ تمام لوگ جو ۱۸۵۷ء تک تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے وہ سب کے سب سرکاری اور انتظامی مناصب کے لحاظ سے اور ان کے تقاضوں کے مطابق غیر تعلیم یافتہ ہوگئے چشم زدن میں میں اس نے ایک روایت کو بند کرکے دوسری روایت کو کھول دیا۔"[4]

الغرض جب برطانوی استعمار نے مغل حکومت سے اقتدار چھین کر اس خطہ میں اپنی حکومت قائم کرلی اور انتظامی، مالیاتی، اور عدالتی نظام کو یکسر بدل دینے کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان بھی فارسی کی بجائے انگریزی مقرر کردی تو اجتماعی اور ریاستی معاملات سے لاتعلق ہونے کی وجہ سے درس نظامی کی بنیاد پر چلنے والا یہ پورا نصاب و نظام بے مصرف ہوکر رہ گیا اور اس کی جگہ نئے حکمرانوں کے نافذ کردہ جدید تعلیمی نظام نے لے لی۔

دینی مدارس کا قیام:

اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے کچھ مردانِ خیر نے مسجد و مدرسہ کے معاشرتی کردار کو بحال رکھنے کی حد تک درس نظامی کے اس سسٹم کو بہر حال قائم رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے رضاکارانہ عوامی چندہ اور امداد باہمی کے اصول کو بنیاد بنا کر پرائیویٹ دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابتداء میں دیوبند، سہارنپور، مراد آباد، اور دیگر چند شہروں میں دینی مدارس قائم ہوئے۔ لیکن یہ ضرورت چونکہ پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی مشترکہ ضرورت تھی اس لیے ایک قابل عمل مثال سامنے آتے ہی ملک کے طول و عرض میں اس قسم کے دینی مدارس کا ایک جال بچھ گیا۔ ان مدارس کا نصاب بنیادی طور پر وہی چلا آرہا ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوچکا ہے۔

---

[3] زاہد الراشدی، ابوعمار، مولانا، **دینی مدارس کا نصاب و نظام**، (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، اگست ۲۰۰۷ء)، ۲۴

[4] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، خطبہ، **مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصر حاضر**، مرتب سید عزیز الرحمن، (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ۵۹

پاکستان میں اس وقت علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں ہزاروں مدارس چھوٹے وبڑے اپنی اپنی بساط کے مطابق کام کررہے ہیں۔ جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے ہے چنانچہ اس سلسلہ میں علماء دیوبند، علماء بریلی، علماء اہل حدیث، علماء اہل تشیع، اور علماء جماعت اسلامی کے مختلف شہروں میں قائم کردہ دینی مراکزہیں جو مختلف بورڈز (وفاقات) سے منسلک ہیں جن میں علوم اسلامیہ و دینیہ کی تعلیم دی جارہی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اولاً تو ذمہ داری حکومت کی تھی کہ وہ اسلام کے نام پر بننے والی اس ریاست میں ایسا نظام تعلیم رائج کیاجاتا جس میں قران وسنت کی مکمل تعلیم اور جدید علوم وفنون کو مدنظر رکھتے ہوئے مشترکہ نصاب تشکیل دیاجاتا جس کو پڑھنے کے بعد ہر مسلمان دینی تعلیم میں بھی مہارت ولیاقت رکھتااور دنیاوی علوم پر بھی اس کی اچھی خاصی دسترس ہوتی، مگر افسوس کہ بعض ایسی وجوہات جن کے تذکرے کا نہ یہ موقع ہے اور نہ ہی وقت کی قلت اس کی گنجائش دیتی ہے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ چنانچہ جب حکومتی سطح پر یہ اقدامات نہیں ہوئے تو ارباب مدارس نے آپس میں اتفاق واتحادپیدا کرنے کے لیے اور نصاب میں ہم آہنگی اور طریقہ تدریس کو یکساں بنانے کے لیے کوششیں شروع کیں۔

اسی سلسلہ میں سب سے پہلے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کاقیام عمل میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ ان مدارس میں باہمی ربط اور نصاب تعلیم کو منظم کرنے کے لیے ایک اجلاس جامعہ خیر المدارس ملتان میں ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء کو مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی زیر صدارت منعقد ہوا اور ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ تنظیمی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۴-۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۸-۱۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں باقاعدہ طورپر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام سے ایک ہمہ گیر تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔[5]

اس کے بعد دیگر مکاتب فکر کے وفاق معرض وجود میں آتے گئے چنانچہ پاکستان میں اس وقت مسلکی بنیادوں پر پانچ وفاق قائم ہیں۔

1. وفاق المدارس العربیہ پاکستان، دیوبندی مکتبہ فکر
2. تنظیم المدارس العربیہ پاکستان، بریلوی مکتبہ فکر
3. وفاق المدارس السلفیہ پاکستان، اہل حدیث مکتبہ فکر

(5) http://www.wifaqulmadaris.org/intro.php

4. وفاق المدارس الشیعہ پاکستان، شیعہ مکتبہ فکر
5. رابطۃ المدارس العربیہ پاکستان، جماعت اسلامی ان

ان کی آخری سند، الشہادۃ العالیہ، کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (University Grants Commission) نے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دیا ہے۔ ان مدارس سے فارغ التحصیل فضلاء اور فاضلات کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اور جو ہر سال سند فراغت حاصل کرتے ہیں وہ بھی لاکھوں کے قریب ہیں۔ الغرض دینی علوم حاصل کرنے والوں کی یہ ایک بہت بڑی تعداد ہے جو ان مدارس سے دینی تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہے۔

دینی مدارس اور جدید علوم وفنون:

دینی مدارس کے بارے میں یہ رائے اختیار کرنا کہ ان کا نصاب صدیوں پرانا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تو یہ ایک بے بنیاد بات ہوگی اس نصاب میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کا تناسب زمانہ کے تقاضہ کے حساب سے کم تھا مگر اب بعض مدارس نے اس سلسلہ میں کافی پیشرفت کی ہے اور درس نظامی کے ساتھ ساتھ جدید علوم وفنون کی تعلیم کا بھی انتظام شروع کیا ہے۔ ابتدائی سطح پر تو میٹرک تک تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اسے درس نظامی کے پہلے سال درجہ اولی میں داخلہ ملے گا۔ جیسا کہ تمام بڑے مدارس اور وفاقوں نے اپنی ویب سائٹ پر داخلہ کی شرائط میں بھی درج کیا ہے۔ ذیل میں اختصار کے پیش نظر وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق چند اہم مدارس کے اس حوالہ سے اقدامات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے جدید علوم وفنون کے حوالہ سے اقدامات:

جامعہ دارالعلوم کراچی پاکستان کا سب سے بڑا تعلیمی مدرسہ ہے جو کئی ایکڑ زپر مشتمل ہے اور عالمی سطح پر اس ادارہ کو بڑی پزیرائی حاصل ہے۔ درس نظامی کے علاوہ جدید علوم وفنون کی تحصیل کے حوالہ سے ان کے چند اقدامات درج ذیل ہیں۔

میٹرک تک لازمی تعلیم:

درجہ اولی میں داخلہ کے لیے میٹرک کو شرط قرار دیا ہے۔[6]

---

[6] https://darululoomkarachi.edu.pk/?page_id=8

جدید دار الافتاء:

جامعہ دار العلوم کراچی کا یہ دار الافتاء ایک خاص مرجعیت کا حامل ہے، یہاں فتوے کی خدمت میں مشغول مفتیان کرام بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ تحریر کرتے ہیں، اور ان کی زیر ہدایت اب تک بہت سے فضلاء یہاں سے تخصص فی الفقہ و الافتاء کر کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

کوئی مسئلہ نہایت اہم اور تحقیق طلب ہو تو "مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ" کے لئے اسے الگ کر لیا جاتا ہے اور سائل کو خط کے ذریعے بتا دیا جاتا ہے کہ آپ کا مسئلہ نہایت اہم اور تحقیق طلب ہے اس کو حل کرنے میں وقت لگے گا، اب تک "مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ" کی طرف سے متعدد تحقیقی مقالات ورسائل مرتب ہو چکے ہیں، جو مسائل قدرے غور طلب ہوں وہ دار الافتاء ہی میں متعین مفتی صاحبان کے حوالے کر دئے جاتے ہیں، درمیانے درجے کے مسائل درجہ تخصص سال دوم اور سال سوم کے طلبہ کو لکھنے کے لئے دئے جاتے ہیں اور آسان مسائل درجہ تخصص سال اول کے طلبہ حل کرتے ہیں، ان سب فتاویٰ پر بڑے مفتیان کرام کی تصدیق ضروری ہوتی ہے جس کے بعد ہی فتویٰ دار الافتاء سے جاری کیا جاتا ہے، نصف صدی سے زائد عرصے میں یہاں سے تقریباً سات لاکھ سے زائد فتاویٰ جاری کئے جا چکے ہیں۔

دار الافتاء میں فتویٰ لکھنے اور ان کی تصحیح و تصدیق کرنے والے حضرات کی تعداد اسی کے قریب ہے۔
نیز دار الافتاء میں درج ذیل سہولیات کا انتظام کیا گیا ہے:

❶ رفقاء دار الافتاء کے لئے ایسے کمپیوٹرز فراہم کئے گئے ہیں جن میں سینکڑوں کتابوں کا ذخیرہ ہے جن کی مدد سے حوالہ جات تلاش کر کے فتاویٰ کمپوز کئے جاتے ہیں۔

❷ دار الافتاء کی عمارت خاصی کشادہ بنائی گئی ہے جس میں اب رفقاء کار کے لئے جدید طرز پر الگ الگ کیبن بنائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنا کام آسانی اور یکسوئی کے ساتھ کر سکیں، زمینی منزل اور پہلی منزل رفقاء دار الافتاء کے لئے جبکہ دوسری منزل تخصص کے طلبہ کے لئے مختص کی گئی ہے۔ زمینی منزل میں ایئر کنڈیشن لگایا گیا ہے اور دوسری منزل تک جانے کے لئے لفٹ کی سہولت بھی موجود ہے۔

❸ چھت پر چاند دیکھنے کے لئے ایک رصد گاہ تعمیر کی گئی ہے جس میں ہر ماہ چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

❹ مساجد کی سمتِ قبلہ کو درست کرنے کے لئے بھی مفتیانِ کرام مختلف مساجد میں تشریف لے جاتے ہیں۔

❺ غیر مسلم یہاں آکر اسلام قبول کرتے ہیں انہیں اسلام کی بنیادی باتیں بتائی جاتی ہیں اور ساتھ ہی سند اسلام بھی دی جاتی ہے، اب تک ان نو مسلموں کی تعداد "۱٦۸۹" تک پہنچ چکی ہے۔

❻ بذریعہ ای میل،ڈاک وفیکس سوالات کے جوابات روانہ کرنے کا انتظام ہے۔[7]

حرا فاونڈیشن سکول کا قیام:

وقت کی ناگزیر ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ دارالعلوم کراچی نے عصری تعلیم کے شعبہ کو شرعی تقاضوں کے تحت فروغ دینے کے لئے ایک جامع منصوبہ بندی کے تحت ایک معیاری عملی نظام تعلیم پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کے تحت اسلامی اقدار پر مبنی اعلیٰ معیاری تعلیم کا حصول ممکن ہو، ایسی معیاری تعلیم جو بامقصد طریقہ زندگی کا راستہ دکھانے والی ہو۔ اس فکر کے تحت اس ادارے (حرا فائونڈیشن اسکول) کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس راستہ کی پیروی کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا ہے اور مسلمان بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی ذمہ داری اس طور سے ادا کی جائے کہ انہیں جدید علوم وفنون، عمدہ معیاروں اور معتدل رویوں سے روشناس کیا جاسکے تاکہ وہ بین الاقوامی معیار کی تعلیم حاصل کرکے پورے دین پر چلتے ہوئے عزت ووقار کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور بھرپور اہلیت اور استعداد کے ساتھ عالمی چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں اور جدید علوم وفنون سائنس ٹیکنالوجی سے بہرہ ور ہوں اور زندگی کے ہر شعبے میں بڑھ چڑھ کر نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر کامیابی حاصل کرسکیں اور بھرپور اہلیت اور استعداد کے ساتھ پُراعتماد انداز میں عالمی چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں اور دنیاوآخرت میں سرخروئی حاصل کرسکیں۔

اغراض واہداف:

❶ ایک ایسا ماحول فراہم کرنا جہاں ہمارے بچے بنیادی اسلامی تعلیمات واقدار اعلیٰ دنیاوی تعلیم جدید طریقہ تعلیم کے ذریعہ حاصل کرسکیں۔

❷ بچوں کو عملی مسلمان اور سچا پاکستانی بنائیں تاکہ وہ پُراعتماد انداز میں اپنے شعبوں میں عالمی چیلنجوں کا مقابلہ مہارت کے ساتھ کرسکیں۔

---

[7] https://darululoomkarachi.edu.pk/?page_id=20

❸ اور ایسے مواقع اور استعداد فراہم کرنا کہ ہمارے بچے اس قابل ہوسکیں کہ وہ اس ادارے (حرا فاؤنڈیشن اسکول) سے فراغت کے بعد اپنی مرضی سے دینی و دنیاوی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں اور اس میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

❹ جونئیر اور سینئر سسٹمز کے تحت تعلیم پانے والے بچے بچیوں کی تربیت و اصلاح کا نظام وضع کرنا، عمل کرانا اور تربیت کے عمل کے لئے جائزوں کا نظام بنانا تاکہ تربیت کے معیار کو جانچا جاسکے۔

امتیازی خصوصیات:

❶ ایسا نصاب تعلیم جو بیک وقت کیمبرج سسٹم اور اسلامی طریقہ پر مبنی ہے

❷ ماہر مونٹیسری ڈائریکٹریس اور ماہر تدریسی عملہ

❸ فاضلات درس نظامی کی زیر نگرانی حفظ کلاسز اور جدید سامان سے مزین کلاسز

❹ وسیع اور کشادہ خوشنما عمارت اور کمپیوٹر لیب

❺ غیر نصابی سرگرمیاں اور آرٹس روم

❻ ایک جدید کتب خانے کا قیام جس میں بچوں کی عمروں کے لحاظ سے وافر مقدار میں کتابیں موجود ہیں۔

❼ والدین اور اسٹاف کا مستقل رابطہ

❽ وسیع کھیلنے کا میدان (زیر تعمیر)

❾ خوبصورت سوئمنگ پول

❿ ٹرانسپورٹ کی سہولت [8]

حرا فائونڈیشن اسکول کے پروگرامز اور مزید معلومات کے لیے اس کی آفیشل ویب سائیٹ کا وزٹ کیا جاسکتا ہے۔ [9]

مرکز الاقتصاد الاسلامی کا قیام:

موجودہ نظام معیشت میں سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے پوری دینا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ قرآن و سنت میں اس کی حرمت کا تذکرہ جتنی تفصیل کے ساتھ فرمایا گیا ہے اور اس پر جو وعیدیں ارشاد ہوئی ہیں شاید کسی اور گناہ کیلئے نہیں ہوئی ہیں۔

)8(https://darululoomkarachi.edu.pk/?page_id=18
)9(https://hirafoundation.com

اس اہمیت کے پیش نظر شروع سے ہمارے اکابر کی تحریری اور عملی طور پر یہ کوششیں رہی ہیں کہ موجودہ نظام بینکاری کو سود سے پاک کرکے ایسا متبادل نظام قائم کیا جائے جس کے ذریعے اس حرام معاملہ سے نجات مل سکے۔

مرکز الاقتصاد الاسلامی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کی بنیاد ۲۲ صفر ۱۴۱۳ھ (۲۲/اگست ۱۹۹۲ء) میں بیت المکرم مسجد گلشن اقبال بلاک ۸ کراچی کے احاطہ میں رکھی گئی۔

الحمدللہ مرکز الاقتصاد الاسلامی رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی سرپرستی اور پرعزم مثالی قیادت میں کئی سالوں سے وطن عزیز پاکستان میں اور بیرون ملک اسلامی بینکاری اور اسلامی معاشی نظام کے احیاء اور فروغ کیلئے مصروف عمل ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ موجودہ سودی نظام معیشت کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت کو شرعی بنیادوں پر قابل عمل اسلامی بینکاری کے نمونہ پیش کرنے اور اسے شریعت کے مطابق جاری رکھنے کی کاوشوں میں مرکز الاقتصاد الاسلامی ایک کلیدی کردار ادا کررہا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ الحمدللہ اس وقت دنیا کے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں ربافری بینکنگ سسٹم یا جسے ہم اسلامی بینکاری نظام کہتے ہیں وہ اب تیزی کے ساتھ ترقی کررہا ہے اور دنیا کے صف اول کے مالیاتی اداروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرارہا ہے۔

مرکز الاقتصاد الاسلامی کے اغراض ومقاصد:

❶ اس شعبہ کا بنیادی مقصد اسلامی معاشی نظام کا احیاء اور فروغ ہے تاکہ جو بینکار پاکستان اور پوری دنیا کے اسلامی بینکوں میں کام کررہے ہیں ان کو اسلامی نظام معیشت کی تربیت فراہم کی جائے۔

❷ تمام کاروباری، مالی، معاشرتی اور معاشی ماحول کو ایک ایسے عظیم پلیٹ فارم پر جمع کرنا جہاں شرعی اصولوں کی روشنی میں ان معاملات کو عملی زندگی میں تطبیق مل سکے۔

❸ موجودہ معاشی نظام میں سود سے پاک اسلامی بینکاری کے فوائد کی سربلندی اور ترقی کیلئے اسلامی بینکنگ اور اسلامی بیمہ کرنے والی کمپنیوں کے وجود کا مطالبہ کرنا۔

❹ مذکورہ بالا مطالبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بینکنگ، فائنانس اور معیشت کے میدانوں میں بنیادی اور جدید طریقوں کو متعارف کرانا۔

❺ ایسے علمائے کرام اور مفتیان عظام کی جماعت تیار کرنا جو اسلامی نظام معیشت سے بھی باخبر ہوں اور وہ مستند شریعہ گائیڈلائن اسلامی بینکوں کو بھی فراہم کرسکیں بلکہ ان کے مالی معاملات کی شرعی اعتبار سے جانچ پڑتال اور آڈٹ کرسکیں۔

❻ لوگوں کی ایسی جماعت تیار کرنا اور انکی ذہن سازی کرناجو کنونیشنل بینکنگ سسٹم کو اسلامک بینکنگ سسٹم میں تبدیل کرسکیں۔

❼ اسلامک بینکنگ سسٹم اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کو متعارف کرانے کے لئے موقع بموقع مختلف کورسز کا انعقاد کرنا۔[10]

مرکز الاقتصاد الاسلامی (CENTRE FOR ISLAMIC ECONOMICS) کی آفیشل ویب سائیٹ پر اس کی مکمل تفصیلات موجود ہیں جو ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔[11]

جامعۃ الرشید کراچی کے جدید علوم وفنون کے حوالہ سے اقدامات:

جامعۃ الرشید کا شمار پاکستان کے ان چند مدارس میں ہوتا ہے جنھوں نے بہت کم وقت میں علمی و تحقیقی کاموں کی بدولت شہرت حاصل کی ہے۔ جدید علوم وفنون کے بارے میں ان کی کاوشیں درج ذیل ہیں۔

کمپیوٹر لیب کا قیام:

چونکہ کمپیوٹر کی تعلیم اس زمانہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس لیے طلباء کے لیے کمپیوٹر لیب موجود ہیں اوران میں تحقیق و تدوین میں معاون سافٹ ویئر اورڈیجیٹل لائبریریز انسٹال کی گئی ہیں۔

عربیک وانگلش لینگویج کورس :

عربی اور انگریزی زبان کے روانی سے بولنے کے لیے ایک زبردست پروگرام تشکیل دیا گیاہے تاکہ عربی اور انگریزی زبان میں مہارت ہو اور بولنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہو۔ یہ ایک بہت مستحسن قدم ہے جو کہ پاکستان کے دینی مدارس میں بہت کم ہی دیکھنے کو ملے گا۔

اردو جرنلزم کورس:

عصر حاضر میں میڈیا کی طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا چنانچہ پرنٹ میڈیا کی اہمیت اوراس میں کام کا طریق کار، صحافت کے اصول، مضمون نگاری سمیت متعلقہ اہم امور پر لیکچرز دیے جاتے ہیں۔

---

[10] https://darululoomkarachi.edu.pk/?page_id=17
[11] http://cie.com.pk/

کلیۃ الشریعہ:

کلیۃ الشریعہ ایک چار سالہ پروگرام ہے جس میں قرآن وحدیث ، تفسیر ،عقیدہ، تاریخ،فقہ ، تقابل ادیان، منطق،سیاسیات سمیت اہم مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔

اسلامی بینکنگ:

اسلامی بینکنگ کے حوالہ سے کورسز کرائے جاتے ہیں۔[12]

جامعہ اشرفیہ لاہور:

پاکستان کے نامور اداروں میں جامعہ اشرفیہ لاہور کا بھی شمار ہوتا ہے۔یہاں بھی حفظ وناظرہ اور درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور علوم اسلامیہ میں تحقیق کے لیے کمپیوٹر لیب اور ان میں جدید برقی کتب خانے موجود ہیں جن سے استفادہ کے حوالہ سے باقاعدہ کلاسز ہوتی ہیں۔

درس نظامی:

جامعہ اشرفیہ کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ درس نظامی کا ہے جس میں علم تفسیر،حدیث،فقہ اور علوم آلیہ یعنی منطق فلسفہ، صرف اور نحو پر مشتمل تقریباً بتیس علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اس شعبہ میں میٹرک پاس طالب علم کو داخل کیا جاتا ہے۔ میٹرک سے کم استعداد کے طالب علم کو داخلہ نہیں دیا جاتا۔ میٹرک کے بعد آٹھ سال تک مروجہ اور وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ ترمیم شدہ درس نظامی کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔

یونیورسٹی گریجویٹ کے لئے چارسالہ کورس:

اس کورس کا دورانیہ چار سال ہے۔ اس میں ایسے طلباء کو داخل کیا جاتا ہے جن کی تعلیم کم از کم B-A ہو اس کا مقصد گریجویٹس حضرات کو علم دین اور احکام شرعیہ کے ضروری مسائل سے آگاہ کرنا ہے اس کورس میں فہم قرآن و حدیث کی صحیح تفہیم کیلئے ابتدائی عربی گرائمر (نحو و صرف) اور دیگر علوم ضروریہ سکھائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھانے کے ساتھ ساتھ مکمل علم تجوید بھی پڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ چوتھے سال میں دورہ حدیث شریف کروایا جاتا ہے۔

[12] https://www.kulyatushariah.edu.pk/index.php/en/jamia/education.

اغراض ومقاصد (چار سالہ عالم ڈپلومہ کورس)

❶ قرآن کریم وسنت کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کرنا

❷ دینی مدارس اور یونیورسٹی و کالج کے طلباء کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور ان دونوں اداروں کے درمیان پیدا شدہ فاصلوں کو ختم یا کم کرنا۔

❸ مغربی فکر وتہذیب کے مسلم امّہ پر پڑنے والے برے اثرات کا علم دین کی روشنی میں ازالہ کرنا۔

❹ تزکیہ نفس، عملی تربیت کرنا اور داعی اسلام بنانا۔[13]

جامعہ خیر المدارس ملتان:

جامعہ خیر المدارس ملتان میں مروجہ درس نظامی کے علاوہ درج ذیل جدید اقدامات کیے گئے ہیں:

خارجی تعلیمی سرگرمیاں:

تعطیل کے اوقات میں درجہ کتب کے طلباء کو الیکٹریشن کا کورس کروایا جاتا ہے نیز کمپیوٹر کے مختلف کورسز بھی منعقد ہوتے ہیں جن میں طلباء کی ایک معقول تعداد شرکت کرتی ہے۔

تعلیم نسواں:

درسِ نظامی: شعبہ بنات کے درسِ نظامی میں داخلہ کے لئے میٹرک پاس ہونا شرط ہے۔

کمپیوٹر:

جدید ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لئے کمپیوٹر کے مختصر دورانیے کے کورس بھی کروائے جاتے ہیں۔

ٹیلرنگ: طالبات کو سلائی کڑھائی سکھانے کے لئے ٹیلرنگ کا ایک الگ شعبہ بھی مصروف عمل ہے جس میں مختلف ڈیزائن کے سلائی کے کورس کروائے جاتے ہیں۔

عصری تعلیم:

طالبات کے لئے میٹرک تک انگلش میڈیم تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے۔ خالص دینی وباپردہ ماحول میں تربیت کے ساتھ اعلیٰ معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔[14]

---

[13] https://www.jamiaashrafia.org/eddepartments.php
[14] http://khairulmadaris.edu.pk/

دینی مدارس کو درپیش تحدیات اوران کا حل:

عصر حاضر میں دینی مدارس بہت سی تحدیات درپیش ہیں جن کو حل کیے بغیر اپنے اصل اہداف کی تکمیل دشوار ہے۔ اختصار وجامعیت کے ساتھ چند مسائل کی نشاندہی اوران کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

فرقہ واریت کا مسئلہ:

اس وقت امتِ مسلمہ کی تباہی اور بے سروسامانی کی وجہ اگرچہ ہر شعبہ حیات میں عدمِ توازن اور بے اعتدالی کا شکار ہے لیکن ہمارے ملک میں بدقسمتی سے فرقہ واریت نے جو ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اس کی وجہ سے مسلک، جماعت اور گروہ صرف خود کو مبنی برحق سمجھتے ہیں اور دوسروں کے افکار سنناتو درکناان کا وجود بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں اور بدقسمتی یہ عمل دینی مدارس کے فضلاء کی طرف سے زیادہ تر پایاجاتا ہے اوراگر عوام میں ایسی کوئی سوچ بھی ہے تووہ بھی ان فضلاء کرام کی محنت کا نتیجہ ہے۔

دینی مدارس کے طلباء کی ایسی فکری، ذہنی اور عملی تربیت کی جائے کہ فرقہ واریت اور انتہاء پسندی کے خاتمہ کے لیے وہ اپنی تمام ترصلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے امت مسلمہ کو وحدت کی چھتری تلے جمع کرنے کی کوششیں کریں۔ اور انہیں اس بات سے اچھی طرح باخبر کر دیا جائے کہ اختلاف رائے کو محض اختلاف رائے تک محدود رکھیں اسے مخالفت یاعداوت تک نہ لے جائیں۔ قرآن وسنت، سیرت نبویہ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کے طرز عمل کو پیش کیاجائے اور ائمہ مجتہدین کے طریقہ اختلاف کی درست تفہیم ہونی چاہیے۔

علامہ ابن عبد البر مالکیؒ(م-۴۶۳ھ) سلف کے درمیان اختلاف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما برح المستفتون يستفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم أن المحلل هلك لتحليله ولا يرى المحلل ان المحرم هلك لتحريمه [15]

"مفتی حضرات ہمیشہ فتوی دیتے رہے ان میں سے ایک حلال کا فتوی دیتا ہے اور دوسرا حرام کا فتوی دیتا ہے۔ حرام کا فتوی دینے والا یہ نہیں کہا حلال کا فتوی دینے والا اس فتوی کی وجہ سے ہلاک ہوگیا اور نہ حلال کا فتوی دینے والا یہ کہتا ہے کہ حرام کا فتوی دینے اس فتوی کی وجہ سے ہلاک ہوگیا۔"

صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ(م-728ھ) لکھتے ہیں:

---

15 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، **جامع بیان العلم وفضلہ**، (المملکۃ العربیہ السعودیہ: دار ابن الجوزی، ۱۴۱۴ھ)، ۲: ۹۰۲

وأما الاختلاف في الأحكام فأكثر من أن ينضبط ولو كان كلما اختلف مسلمان في شيء تهاجرا لم يبق بين المسلمين عصمة ولا أخوة ولقد كان أبو بكر وعمر رضي الله عنهما سيدا المسلمين يتنازعان في أشياء لا يقصدان إلا الخير[16]

"مسائل احکام میں تو اس قدر اختلاف ہوا ہے کہ اس کا ضبط میں آنا ممکن نہیں۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ جب بھی کبھی دو مسلمانوں میں کسی مسئلے کی بابت اختلاف ہو تو ایک دوسرے سے قطع تعلقی اختیار کر لی جاتی تو مسلمانوں میں کسی عصمت یا اخوت کا نام تک باقی نہ رہتا اور تحقیق ابو بکر وعمر رضی اللہ عنھما جو مسلمانوں کے سردار ہیں ان کا مسائل میں بحث کرنے سے مقصود بھلائی ہوتا تھا۔"

اگر امت مسلمہ کے علماء اور ائمہ کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہوا ان کی تفصیل اکھٹی کی جائے تو کئی جلدوں میں بھی یہ آراء نہیں سمائیں گی مگر اس کے باوجود ان اہل علم نے اختلاف رائے کو مخالفت تک جانے نہیں دیا۔ اس قسم کے اختلافات پر امام شاطبیؒ(م -۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

قال القاسم لقد أعجبني قول عمر بن عبد العزيزما أحب أن أصحاب رسول الله لم يختلفوا؛ لأنه لو كان قولا واحدًا كان الناس في ضيق، وإنما أئمة يقتدى بهم؛ فلو أخذ أحد بقول رجل منهم كان في سعة[17]

"قاسم نے کہا مجھے عمر بن عبد العزیز کا یہ قول بہت پسند آیا مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ صحابہ نے (بعض مسائل میں) آپس کے اندر اختلاف نہ کیا ہوتا۔ کیونکہ ان سے اگر ایک ہی قول مروی ہوا ہوتا تو لوگ تنگی میں رہ جاتے، جبکہ صحابہ امام ہیں جن کی اقتدا ہونی چاہیے۔ چنانچہ کوئی شخص کسی ایک صحابی کا قول اختیار کرلے تو اس کیلئے اس کی گنجائش ہے۔"

ضروری نہیں کہ ہر رائے قابل عمل ہو اور نہ ہر رائے درست ہو سکتی ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ جو رائے درست ہو اس میں غلطی کا احتمال ہو اور فریق مخالف کی رائے غلط ہو مگر درست ہونے بھی احتمال رکھتی ہو اس لیے اختلافی مباحث میں صرف اپنی رائے کو ہی درست سمجھنا اور دوسروں کو بالکلیہ غلط سمجھنا اسلاف کا طریقہ نہیں تھا۔ امام غزالیؒ(م -۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین میں ایک مقام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذه مسائل فقهية دقيقة والاحتمالات فيها متعارضة وإنما أفتينا فيها بحسب ما ترجح عندنا في الحال ولسنا نقطع بخطأ ترجيح المخالف فيها[18]

---

[16] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، ابو العباس، **مجموع الفتاوی**، (دار الوفاء، ۱۴۲۶ھ)، ۲۴: ۱۷۳

[17] الشاطبی، ابراہیم بن موسی، **الموافقات**، (دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ)، ۵: ۶۸

یہ دقیق ترین فقہی مسائل ہیں ان میں احتمالات کا بھی تعارض ہے اور ہمارے فتاوی انہی احتمالات پر مبنی ہیں جنہیں ہم فی الحال راجح سمجھتے ہیں اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری رائے قطعی ہے اور فریق مخالف نے جن احتمالات کو ترجیح دی ہے وہ خطا پر ہیں۔

یہی بات امام ابن نجیمؒ(م-۹۷۰ھ) نے اپنے انداز میں اس طرح بیان کی ہے:

إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفينا في الفروع، يجب علينا أن نجيب بأن مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفيناخطأ يحتمل الصواب[19]

"جب ہم سے اپنے اور مخالف کے مذہب کے فروعی مسائل کے بارے میں سوال کیاجائے تو ہم پر لازم ہے کہ اس طرح جواب دیں کہ ہمارا مذہب درست ہے مگر خطا کا بھی احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے مگر درست ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔"

اس لیے ائمہ ومجتہدین کے اختلاف کو بیان کرتے وقت ادب الاختلاف کو ملحوظ رکھا جائے اور طلباء کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں اہل علم سے اختلاف میں نزاع اور مخالفت تک نوبت نہ لے جائیں کیوں کہ یہ چیز فرقہ واریت کو ہوا دیتی ہے۔

تکفیری رجحان:

عصر حاضر میں تکفیری رجحان کی یہ حالت اور کیفیت ہے کہ معمولی سی بات اور اختلاف رائے پر تکفیر کر دی جاتی ہے۔ اور اس طرز عمل کو عین اسلام کی خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ اور ائمہ عظام کے طریق کار سے یہ بات واضح ہے کہ تکفیر کا مسئلہ نہایت احتیاط کا متقاضی ہے اس لیے جب تک مطلوبہ شرائط اور تکفیر سے مانع رکاوٹیں دور نہ ہو جائیں تب تک اس بارے کوئی رائے نہ دی جائے۔

دینی مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم :

انگریزی زبان بین الاقوامی حیثیت کی حامل ہے۔ اور اہل مغرب کی ساری تحقیقات اور اسلام پر کئے گئے اعتراضات سب انگلش میں ہیں۔ اس لیے ہمیں انگلش سے نفرت کرنے کی بجائے اسے صرف ایک زبان تک محدود

---

[18] الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، **احیاء علوم الدین**، (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)، ۲: ۳۲۶

[19] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، **الاشباہ والنظائر**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ)، ۱: ۳۳۰

رکھیں اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اس سے کام لیں اور جہاں شعائر اسلامی پر اعتراضات وتنقیدات ہوں ان کو پڑھ کر اس کا جواب دیں۔ انگریزی سمیت دیگر زبانوں کا سیکھنا اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے۔آپ ﷺ نے حضرت بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ (20) اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یہود کا رسم الخط سیکھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا" مجھے یہود کی تحریر پر اعتماد نہیں ہے۔" اور حضرت زیدؓ فرماتے ہیں "کہ میں نے پندرہ دنوں میں ان کا رسم الخط سیکھ لیا۔"[21]

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہود کی زبان اور رسم الخط کو سیکھنے کا حکم دے کر اس بات کی صراحت فرمادی کہ ضرورت کے پیش نظر دیگر اقوام کی زبانیں سیکھی جاسکتی ہیں۔

لہٰذا عصر حاضر کا یہ ایک بڑا چیلنج ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء کو انگریزی زبان میں مہارت ہونی چاہیے تاکہ وہ کسی بھی پلیٹ فارم پر اسلام کی ترجمانی کر سکیں۔

تحقیق وتدوین کے اصول سے واقفیت اور اس کی عملی مہارت:

دور جدید میں ایجادات اور اکتشافات نے ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے انسانی ضروریات دن بدن بڑھ رہی ہیں اس لیے نت نئے مسائل کا حل اور اس بارے میں تحقیق وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

دینی مدارس کو فضلاء کو جہاں اسلامی علوم وفنون سے واقفیت ہوتی ہے وہاں انہیں اصول تحقیق وتدوین کا مضمون بھی لازمی پڑھانا چاہیے۔ جن میں طلباء کو پہلے باقاعدہ اور باضابطہ طور پر تحقیق اور مبادیات تحقیق کے حوالہ سے مطالعہ کرایا جائے۔ قران وسنت سے استدلال واستنباط کے اصول وقواعد ،موضوع کا انتخاب، عنوان سازی، امہات الکتب سے مراجعت، حوالہ دینے کے طرق وغیرہ سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد انہی تحقیقی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان سے کسی بھی علوم اسلامیہ سے متعلقہ موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھوایا جائے۔

اس میں دو رائے نہیں کہ مدارس دینیہ کے فضلاء میں یونیورسٹیز کے طلباء کے مقابلہ میں اعلی استعداد ہوتی ہے جس سے وہ تحقیقی کام زیادہ عمدہ کرسکتے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی کتنا ہی علمی کام کیوں نہ ہو اگر وہ تحقیقی اور علمی اسلوب میں پیش نہ کی جائے تو اس کی اصل قدر وقیمت نہیں رہتی۔

---

[20] الترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، **السنن**، (مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ)، ۵: ۶۷، حدیث: ۲۷۱۵

[21] الترمذی، **السنن**، حدیث: ۲۷۱۵

کمپیوٹر لیبز اور انٹرنیٹ کی سہولت:

عصر حاضر میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت اس دور کی بہت بڑی ایجاد ہے۔ کہ لمحوں میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک کوئی بھی پیغام اور مواد بھیجا جاسکتا ہے۔ اور برقی کتب خانوں کی بدولت کمپیوٹر پر ایک جگہ بیٹھ کر سینکڑوں کتب کھنگالی جاسکتی ہیں اور انٹرنیٹ سے دنیا کے کسی بھی خطہ میں موجود کتاب آن لائن پڑھی یاڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔ اس لیے دینی مدارس میں کمپیوٹر کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے اور انٹرنیٹ سے کس طرح علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر ہمارا محقق، تحقیق کے میدان بہت پیچھے ہو گا۔ اور زمانہ نجانے کہاں پہنچ چکا ہو۔ کچھ مدارس میں اس بارے میں پیشرفت ہوئی ہے جو کہ پسندیدہ امر ہے اسے عام ہونا چاہیے جتنے بھی مدارس جو درجہ علیا تک تعلیم دیتے ہیں انہیں انہیں اپنے طلباء کو یہ سہولیات دینی چاہیں۔

اور یہ اعتراض کافی نہیں ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کیا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی بدولت ہی علمی کام کیا تھا۔؟ اس لیے کہ ان بزرگوں کے پاس جو قوت حافظہ اور یادداشت تھی وہ آج نہیں ہے۔؟ اور جس قدر ان میں محنت ومشقت اٹھانے کا جذبہ تھا وہ بھی مفقود ہے۔ آج ہمتیں پست ہیں، اور ذہن خالی ہیں۔ اور نہ ویسی استعدادیں ہیں، اس لیے اگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے فائدہ اٹھایا جائے تو بہت کم وقت میں بہت زیادہ حوالے تلاش کیا جاسکتے ہیں۔ ایک ہی جگہ بیٹھ کر تمام کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو کام کی نوعیت پر منحصر ہیں۔

میڈیا کے ذریعے کردار کشی:

دینی مدارس کو ایک اور فکری درپیش بڑا چیلنج عالمی میڈیا اور ذرائع ابلاغ ہیں۔ ان کی کردار کشی کی مہم ہے جو منظم اور مربوط طور پر چلائی جارہی ہے اور مدارس کی ایسی مکروہ تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہے جو حقیقت کے منافی اور انتہائی نفرت انگیز ہے اور ایسی اسکالرز کی جماعت تیار کرنے کی ضروت ہے جو کسی بھی عالمی یا ملکی مسئلہ پر اسلامی نقطہ نظر کو واضح کر سکیں۔ اور شرعی حدود وقیود میں رہتے ہوئے میڈیا پر آئیں اور اسلام کی ترجمانی کریں۔

مشترکہ مدارس کا قیام:

اس وقت ہر مسلک کے اپنے ادارے قائم ہیں جن میں دوسرے مسالک کے لوگوں کو داخلہ نہیں مل سکتا یہ بھی ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ظاہر جب یہ صورت حال رہے گی تو ہم آہنگی پیدا نہیں ہو گی اس لیے ایسے ادارے اور مدارس قائم کیے جائیں جن میں متفقہ علیہ امور کی تعلیم ہو اور فرقہ واریت پر مبنی نصاب اور مواد نہ ہو تو اس سے انتہا پسندی پیدا نہیں ہو گی اور ایک دوسرے سے محبت اور برداشت کے جذبات پیدا ہو نگے۔

خلاصہ بحث:

دینی مدارس کی خدمات اظہر من الشمس ہیں علوم اسلامیہ کی اشاعت اور پھیلاؤ میں ان کا مرکزی کردار ہے۔ اور اس وقت امت مسلمہ جن مسائل کا شکار ہے ان کے حل میں دینی مدارس بھی اپنا کافی حصہ ڈال سکتے ہیں جس کے لیے انہیں اپنے نصاب پر از سر نو غور کرنا ہو گا جو چیزیں دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ان کی جگہ وہ مضامین شامل نصاب کر لیے جائیں جن کی آج ضرورت ہے۔ اگر اس پر غور وخوض کر کے ارباب مدارس کچھ اقدام اٹھالیں تو ہمارے بہت سے فکری اور عملی مسائل حل ہو جائیں گے جو مدارس کے ساتھ منسلک ہیں۔ اور اسی طرح جو عصر حاضر میں مدارس کو تحدیات در پیش ہیں ان کو سمجھنا اور ان کے حل کی طرف متوجہ ہونا وقت کا اہم تقاضا ہے جس سے ہم اپنے مطلوبہ اہداف زیادہ بہتر انداز میں حاصل کر سکتے ہیں۔